ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

اسلام اور مذہبی رواداری

اسلام نے دوسرے مذاہب وادیان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس کے متعلق قرآن میں واضح احکام موجود ہیں۔ جب قرآن نے کہا کہ لا اکراہ فی الدین (مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں) تو گویا اس نے غیر مبہم الفاظ میں تمام دوسرے ادیان کا پوری آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا بنیادی حق تسلیم کر لیا۔ آیت "لا اکراہ فی الدین" میں لفظ دین اپنے مفہوم کے لحاظ سے مروجہ لفظ "مذہب" سے بہت وسیع معنویت کا حامل ہے۔ قرآن میں لفظ دین مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۱) کسی ملک یا ملت کے قوانین (۲) قانون کے مطابق سزا اور جزا (۳) ایک قوت مطاع کی اطاعت (۴) طریقۂ زندگی جس میں عقائد اور اعمال شامل ہیں۔

حضرت یوسف کے قصے میں آتا ہے:

ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک — ملکی قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو گرفتار نہیں کر سکتا تھا

"دین الملک" میں دین کا لفظ دوسرے معنوں میں استعمال ہوا۔ لا اکراہ فی الدین میں دین کا لفظ اپنے وسیع ترین مفہوم میں استعمال ہوا ہے جس میں عقائد و اعمال سبھی داخل ہیں۔ ایک فرد یا قوم کا طریقۂ زندگی درحقیقت اس نظریۂ حیات کا عکس ہوتا ہے جس کو وہ شعوری یا لاشعوری طور پر قبول کرتا ہے۔

دینی آزادی کا مفہوم

جب مغرب میں انسانی زندگی کو دینیت اور لادینیت، روحانیت اور مادیت، مذہب اور ریاست کی مکمل اور مطلق ثنویت میں تقسیم کیا گیا، تو اس سے پہلے انسان کی تمام تر زندگی کی تشکیل خواہ وہ پرائیویٹ ہو یا معاشرتی سب مذہبی عقائد پر ہی ہوتی تھی۔ مذہبی اقدار و اصول زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہوتے تھے۔ عقائد، اخلاق، آداب و قوانین اور رسوم و رواج سب ایک ہی کل کے مربوط اجزا سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے جب قرآن نے دین کے معاملے میں مکمل آزادی کا اعلان کیا تو اس آزادی کا مفہوم مشہور صدر روزولٹ کی اعلان کردہ "چار آزادیوں" سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر کسی سلطنت میں کوئی قوم یا ملت اپنے شخصی قانون کی پیروی پر مصر ہو تو اسے اس کی پوری آزادی ہونی چاہئے۔ اگرچہ دوسرے حقوق کی طرح اس حق کا استعمال بھی چند حدود کے اندر محصور ہوگا۔ اگر یہ بنیادی اخلاقی اقدار کے خلاف ہو یا معاشرے کے امن اور ملک کے دفاع میں خلل انداز ہو تو اس پر عمل کرنے کی کلی ممانعت ہوگی، خواہ وہ کسی ملت یا قوم کے مذہب کا جزو ہی کیوں نہ

ہو۔ مثلاً ایک اسلامی مملکت میں کسی بیوہ کو اپنے خاوند کی چتا پر جلنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، خواہ کسی ہندو ملت کے نزدیک یہ عمل کتنا ہی پسندیدہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ہر حالت میں بلاتفریق مذہب و ملت ربا، جوا اور زنا مکمل طور پر حرام ہونگے۔ اس قسم کی حدود اور پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف ملتوں اور قوموں کو اپنے عقائد و اعمال کے مطابق زندگی بسر کرنے کی مکمل آزادی ہوگی اور اس بنیادی اصول کا جواز قرآن حکیم کی اسی آیت "لا اکراہ فی الدین" سے مستنبط ہے۔

صلح پسندی آنحضرتؐ کی دفاعی جنگوں کے متعلق یہ غلط نقطۂ نگاہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ عرب کے بت پرست قبائل کو تلوار کے زور سے اپنے دین میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ کافی مدت تک آنحضرتؐ نے کوشش کی کہ لوگ مسلمانوں کو اپنے عقائد اور نظریۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دیں تاکہ وہ اور مسلمان دونوں ایک پُرامن ماحول میں اپنے اپنے طریقوں پر عمل پیرا ہوتے رہیں، لیکن آپ کو اس مقصد میں کامیابی نہ ہوسکی۔ اس ناکامی کے بعد آنحضرتؐ بقول کارلائل ایک انسان اور ایک عرب کی حیثیت سے مجبور ہوگئے کہ اپنے دین و عقیدے کی آزادی اور بقا کے لئے قوت کا مقابلہ مناسب قوت سے کریں۔ وحشی اور ظالم قبیلوں کے ساتھ پُرامن ترغیب اور رواداری کا برتاؤ ناممکن تھا۔ اگر ان کے خلاف قوت کا استعمال نہ کیا جاتا تو اسلام اسی وقت ختم ہو جاتا۔ ان کی ذہنیت کا اندازہ تو اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر سنتے ہی انھوں نے مسلمانوں کی نوخیز مملکت کے مرکز مدینہ پر حملہ کردیا۔ اگرچہ انھوں نے بظاہر اسلام کی سیاسی طاقت کو تسلیم کرلیا تھا۔ یہ مسلمانوں کے بلند عزائم اور حوصلے کا نتیجہ تھا کہ وہ اس جوابی انقلاب کے ضرر رساں نتائج سے محفوظ رہے اور یہ رجعت پسند تحریک ہمیشہ کے لئے ختم کردی گئی۔ آنحضرتؐ کا رویہ ان لوگوں اور قبیلوں کے متعلق نہایت صلح کن اور رواداری کا بہترین مظہر تھا جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ غیر جارحانہ رویہ اختیار کئے رکھا۔ جب وہ مکّے واپس آئے جہاں ان وحشی اور ظالم لوگوں نے مسلمانوں پر ہر قسم کے جور و ستم روا رکھے تھے تو آنحضرتؐ نے ان تمام باتوں کو محض اس لئے فراموش کرکے انھیں معاف کردیا کہ اب اسلام کو ان سے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔

یہود و نصاریٰ سے مراعات جب آنحضرتؐ پہلی دفعہ مدینہ پہنچے جہاں کے باشندوں کی اکثریت نے انھیں دعوت دی تھی اور ان کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا تو وہاں یہودیوں کی ایک اقلیت بھی تھی جو دولت اور زمین کی ملکیت کے لحاظ سے خاصی بااثر تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ جس قسم کا معاہدہ کیا اس سے اسلام کی روح کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ انھیں اپنے عقائد و اعمال کی پیروی کرنے اور اپنے طریقۂ زندگی کو آزادی سے ادا کرنے کا مکمل حق تسلیم کیا گیا۔ اس کے ساتھ انھیں یہ یقین بھی دلایا گیا کہ اگر ان کے مقدمات آپ کے سامنے بھی پیش ہوئے تو ان کا فیصلہ ان کی اپنی شریعت اور قانون کے مطابق کیا جائے گا۔ لیکن انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے کفارِ مکّہ سے خفیہ ساز باز شروع کردی۔ انھوں نے پتھر کی ایک چٹان لڑھکا کر یا زہر دے کر آنحضرتؐ کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی اور ایک یہودی

عورت نے تو آپ کو زہر کھلا ہی دیا لیکن خوش قسمتی سے اس کا اثر مہلک ثابت نہ ہو سکا۔ آپ نے یہود و نصاریٰ کو یقین دلانے کی انتہائی کوشش کی کہ آپ کا مقصد محض ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے لائے ہوئے ابدی پیغام کی تکمیل ہے۔ ان کی فراخ دلی سے تعریف کی۔ ان کی کتابوں کو الہامی اور ان کی تعلیمات کو نور ہدایت اور حیات افزا قرار دیا اور خود ان کو خدائے واحد کے سچے پیغمبر تسلیم کیا۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ یہودی ان سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ پیچیدہ اسرائیلی قوانین کی مکمل پیروی کریں۔ اور عیسائی ان سے تثلیث، اوتاری اور کفارے کے عقیدوں کو تسلیم کرنے کی توقع رکھتے تھے۔ لیکن ان باتوں کو تسلیم کرنا آنحضرتؐ کی بنیادی تعلیمات اور اسلام کی اصلاحی تحریک کی روح کے منافی تھا۔ اس کے باوجود ان کی خواہش تھی کہ یہ دو ملتیں جو توحیدی عقیدے کی حامل تھیں، مسلمانوں کے ساتھ صلح، امن اور آشتی سے رہ سکیں کیونکہ ان تینوں میں کم از کم ایک چیز تو مشترک ہے یعنی عقیدۂ توحید۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا ..... الخ (۳: ۶۲)

یہ پیشکش اس وقت قابل توجہ نہ سمجھی گئی لیکن اب چودہ صدی کے بعد کم از کم عیسائی دنیا کے بہترین افراد بظاہر اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ اس پیش کش میں صرف چند باتیں ہیں ایک خدا پر ایمان جو سب توحیدی مذاہب میں مشترک ہے اور خدا کے سامنے تمام انسانوں کی مساوات یعنی کوئی فرد یا جماعت کسی شخص یا اشخاص کو اپنا خداوند یا الٰہ نہ تسلیم کرے۔ اس وقت بھی جب یہ پیش کش قبول نہ کی گئی تھی مسلمانوں کو یہ ہدایت ملی تھی کہ وہ اہل کتاب سے ہر قسم کے بہترین روابط یا رشتۂ مودت والفت قائم کریں جو مشرک اور کفار کے ساتھ ممکن نہ تھا چنانچہ مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے تبدیلی مذہب کا تقاضہ کئے بغیر شادی کر سکتے ہیں اور ان کے اکل و شرب میں شامل ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں نیک عیسائیوں کی خاص طور پر تعریف کی گئی ہے کہ وہ اپنے ایمان اور ہمدردیوں میں مسلمانوں سے نزدیک ترین ہیں اور خدا کی محبت میں سرشار اور عجز و انکسار کے پتلے ہیں۔

ایک دوسری جگہ قرآن میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ایک قوم کے تمام افراد یکساں نہیں اور اس لئے محض کسی ایسی قوم کا فرد ہونا جس کو تم ناپسند کرتے ہو یا جو تمہاری دشمن ہے اس کے خراب ہونے کی دلیل نہیں۔ افراد کی اچھائی یا برائی کا معیار بھی انفرادی ہونا چاہئے نہ کہ مجموعی۔

عبادتگاہوں کا احترام

انصاف کے معاملے میں دوست دشمن مسلم وغیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں۔ اخلاقی یا قانونی حدود میں معیار ایک اور یکساں ہونا چاہئے اور اس میں کسی قسم کی دوئی قابل برداشت نہیں سمجھی گئی۔ ہر قسم کا جارحانہ اقدام ممنوع قرار دیا گیا۔ قرآن میں بے شمار آیات ہیں جن میں یہ چیز دہرائی گئی ہے کہ خدا حدود اللہ سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا بنیادی نظریۂ حیات تمام دیگر ادیان کو صرف آزادی دینا ہی نہیں بلکہ سیاسی نظام اور معاشرتی ماحول میں انکی مکمل حفاظت کا انتظام بھی ہے۔ مندرجۂ ذیل آیات دیکھیئے؛

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت.... الخ

یہ چیز قابلِ غور ہے کہ ایسی کتاب جو اسلام کی داغ بیل رکھ رہی ہے اس میں دوسرے ادیان کے معبدوں کی حفاظت کا ذکر مسجدوں کی حفاظت سے مقدم ہے۔ اپنے معبدوں کی حفاظت ایک فطری بات ہے۔ اور یہ اجتماعی نفسیات کی ایک بنیادی حقیقت ہے۔ ایسے حالات میں جب مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ دوسرے ادیان کے پیروؤں کے معبدوں کی حفاظت کو اپنی مسجدوں سے بھی مقدم سمجھیں تو انسانیت کی تاریخ میں گویا ایک عظیم الشان انقلاب کی داغ بیل ڈالنا ہے۔ دوسرے مذاہب اور ان کی آزادی کو برقرار رکھنے کا یہی شدید جذبہ تھا جس کے باعث ابتدائی جنگوں میں مسلمانوں نے نہتے شہریوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی ہمیشہ حفاظت کی۔ کسی مذہب کے پجاریوں، پروہتوں اور راہبوں پر تلوار نہ اٹھائی اور نہ کسی عبادت گاہ کو مسمار ہونے دیا۔ ان جنگوں کا مقصد تمام انسانوں کی آزادی کو بحال کرانا تھا، نہ کہ کمزوروں اور مفتوحہ ملکوں کے باشندوں کا استیصال۔ فلسطین کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ بنفسِ خود وہاں پہنچے۔ ان کے ساتھ کوئی حفاظتی فوجی دستہ نہ تھا۔ ایک ہی اونٹ پر وہ اور انکا ملازم باری باری سفر کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ عیسائی پیشوا کے ساتھ محوِ گفتگو تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ اور آپؓ نے پیشوا سے باہر جاکر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی لیکن پیشوا نے گرجا ہی میں نماز پڑھنے کی پیش کش کی۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "ٹھیک ہے ہم خدا کی زمین پر ہر جگہ نماز ادا کر سکتے ہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے اس عمل سے آئندہ زمانے میں مسلمان اس گرجے کو مسجد میں تبدیل کرنے کا جواز نہ پیدا کرلیں۔" اس سے اسلام کی صحیح ہیئت سامنے آجاتی ہے کہ اس کا مقصد تمام ادیان و عقائد کی آزادی کا بحال کرنا تھا نہ کہ دوسروں کی آزادی پر ڈاکہ ڈالنا اور ان پر غاصبانہ حملہ اور قبضہ کرنا۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں ایک عیسائی وفد کے اراکین کو اپنی مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ ہماری عبادت میں موسیقی و ارغنون وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے خیال میں مسجد میں یہ چیز مناسب نہ ہو۔ لیکن آپ نے اس کے باوجود ان کو اپنے طور پر نماز ادا کرنے کی اجازت دی۔ کیا کوئی ایسا روادار و فراخ دل پیغمبر دوسرے مذاہب و عقائد کے خلاف کسی قسم کی سختی اور تنگ نظری روا رکھ سکتا تھا؟

قرآن کریم میں ایک جگہ آتا ہے کہ اس دنیا کے انسان کبھی ایک عقیدے اور ایک نظریے کے پیرو نہیں ہو سکتے اور اس لئے ان کے شرائع اور رسوم و رواج میں اختلافات یقیناً موجود رہیں گے۔ لیکن ان کے اختلافات کے باوجود ہر ایک کی یہی کوشش ہونی چاہئے اور یہی اصل چیز ہے کہ خیر کے حصول کی انتہائی کوشش کی جائے اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کا عزم کیا جائے۔ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا.... فاستبقوا الخیرات۔ (۵: ۴۸)

آزادی و رواداری۔ یہی وہ نظریہ تھا جس کے باعث مسلمان ملکوں میں اسلامی سیاسی استیلا کے باوجود غیر مسلم ملتیں اپنی انفرادی زندگی اور تمدن و تہذیب کو برقرار رکھ سکیں۔ عیسائی کلیسا سے ناقوس کی آواز متصلہ مسجد کی اذان کے ساتھ بلند ہوتی تھی۔ ہسپانیہ میں تقریباً آٹھ صدی تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ لیکن انھوں نے کبھی دباؤ یا جبر سے غیر مسلموں کو

مسلمان بنانے کی کوشش نہ کی۔ ان کی اس حکمت عملی ہی کا نتیجہ تھا کہ جب مسلمانوں کی فوجی طاقت کمزور ہوئی تو غیر مسلم اکثریت نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور انکی عطا کردہ ثقافتی اور مذہبی آزادی کا بالکل پاس نہ کیا۔ وہ تمدن و تہذیب جو مسلمانوں نے وہاں پیدا کیا اور جس کی ضیا پاشیوں سے تمام یورپ بعد میں منور ہوا اس متعصبانہ لوٹ گھسوٹ اور قتل و غارت کے بعد ہمیشہ کے لئے فنا ہو گیا۔ ترکوں نے مشرقی یورپ پر چار صدی تک حکومت کی اور مختلف عیسائی فرقوں اور گروہوں کو مکمل مذہبی اور ثقافتی آزادی دے رکھی۔ ایک عثمانی سلطان نے تمام غیر مسلم رعایا کو جبراً مسلمان کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن علماء نے قرآنی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی شدید مخالفت کی۔ انھوں نے اصول کی خلاف ورزی کرنے کے بجائے اقلیت میں رہنے کو ترجیح دی، اگرچہ آخر کار اس کے سیاسی نتائج ان کے حق میں اچھے نہ ثابت ہوئے۔

برعظیم ہند و پاکستان میں یہی صورتِ حال تھی۔ کسی سیاسی یا تبلیغی کوشش کے بغیر ہندو عوام برہمنوں کی ذات پات کی تقسیم کے شدید عملی مضرات سے تنگ آکر مسلمان ہوتے رہے اور یہ عمل اس وقت بھی جاری رہا جب مسلمانوں کا سیاسی غلبہ ختم ہو گیا حتیٰ کہ پنجاب میں سکھوں کے تاریک ترین دورِ حکومت میں بھی جب شاہی مسجد رنجیت سنگھ کے اصطبل میں تبدیل کی جا چکی تھی اسلام کی فتوحات بدستور جاری رہیں۔ اسی طرح جس طرح آج افریقہ میں عیسائی مشنری تنظیم اور کثیر دولت کے علی الرغم مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس کا باعث صرف اسلام کی سادہ تعلیم، غیر عقلی عقائد کا فقدان اور انسانی مساوات کے تصورات ہیں۔ انڈونیشیا میں بھی اسلام اس وقت پھیلا جب وہاں ہالینڈ کے عیسائی حکمران اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے سیاسی قوت اور سرمایہ صرف کرنے میں دریغ نہیں کر رہے تھے۔

یہودی جو قبل مسیح اور بعد میں خود عیسائی سلطنتوں اور علاقوں میں ہمیشہ ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے رہے ان کو اسلام کے بعد چین اور آرام کی زندگی میسر آسکی۔ کسی شہر میں یہودی باڑہ نہ تھا۔ مغربی عیسائی سلطنتیں ان پر ظلم کرتیں تو وہ پناہ لینے اسلامی ملکوں میں جا پہنچتے جہاں ان کے لئے دوسرے باشندوں کی طرح ترقی کے تمام مواقع کھلے تھے۔ کسی اسلامی ملک میں یہودیوں کے خلاف نہ کبھی جذبۂ عناد پیدا ہوا اور نہ ان پر حملے ہوئے۔ لیکن بدقسمتی سے جدید دور میں ان مراعات اور رواداری کے بدلے میں جو سلوک بین الاقوامی جارحانہ صیہونیت نے کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

غیر مسلموں سے معاہدے عیسائیوں اور یہودیوں کے متعلق جو رویہ مسلمانوں کا رہا ہے اس کے متعلق دو واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آنحضرتؐ نے مدینے کے یہود سے جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

ان یہود ..... الخ

"بنی عوف کے یہود مسلمانوں کی طرح ایک ملت شمار ہونگے۔ ہر قسم کے حملے کے خلاف ان کا دفاع مسلمانوں کے ذمے ہوگا۔ ان دونوں کے تعلقات خوش سگالی اور باہمی مشترکہ مفاد پر مبنی ہونگے۔ یہود کے حلیف مسلمانوں کے حلیف شمار ہونگے۔ اور ہر مظلوم کی حمایت کی جائے گی خواہ وہ کسی گروہ سے ہو۔"

نجران کے عیسائیوں کو جو آزادی کا منشور دیا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

لنجران جوار...... الخ

"نجران کے عیسائی خدا اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہو گئے۔ ان کی جان و مال، عقائد اور علاقوں کی حفاظت کی جائے گی اور یہ حفاظت کی ذمے داری نہ صرف ان تک محدود ہو گی جو اس وقت موجود ہیں بلکہ ان پر بھی عائد ہو گی جو اس وقت موجود نہیں (یعنی آنے والی نسلیں) اور ان پر بھی جو اس قبیلے کی حفاظت میں ہیں (وہ اس قبیلے سے تعلق ہوں یا نہ ہوں)"

فلسطین پر قبضہ ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے جو آزادی کا منشور ایلیاء کے باشندوں کو دیا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم... الخ

"یہ امان کا وہ منشور ہے جو خدا کے بندے عمر امیر المؤمنین نے ایلیا کے باشندوں کو دیا۔ ان کی جان و مال، گرجاؤں اور صلیبوں کی حفاظت کی جائے گی۔ ہر شہری خواہ وہ تندرست ہو یا بیمار، ہماری امان میں ہو گا۔ ان کے گرجا لوگوں کی رہائش گاہوں میں تبدیل نہ ہونگے اور نہ ان کو گرایا جائے گا۔ ان کی جائدادوں اور صلیبوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا، نہ ان پر کسی قسم کا مذہبی دباؤ ڈالا جائے گا اور نہ کسی کو پریشان کیا جائے گا۔"

آذربائیجان، جرجان اور مدائن کے شہریوں کو جو امان نامے حضرت عمرؓ نے دئے ان کے الفاظ بھی تقریباً ایسے ہی ہیں۔ صرف یہ اضافہ ہے کہ ان کے مذہبی قوانین کی حفاظت کی جائے گی اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنے اور ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کی پوری آزادی ہو گی۔

تبلیغ کے طریقے قرآن کریم میں اسلام کی تبلیغ و توسیع کے لئے قوت یا دباؤ کا استعمال قطعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے عملی کردار سے دوسروں کو متاثر کریں اور ان کے سامنے ان ابدی حقائق کو پیش کریں جن کی اسلام نے تصدیق کی ہے اور ان حقائق کو بھی جو وسیع تر اور ارتقاء پذیر انسانیت کے لئے ناگزیر ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس کام کے لئے صرف تین طریقوں کی اجازت دی ہے۔ اور آنحضرتؐ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی تمام کوششیں صرف ان ذرائع کے استعمال تک محدود رکھیں۔

اُدعُ الیٰ سبیل ربّک .... الخ

"اے پیغمبر، لوگوں کو اپنے خدا کے راستے کی طرف حکمت، موعظت اور اچھے دلائل کے ساتھ دعوت دو۔"

مذہبی جھگڑوں میں عام طور پر لوگ مخالفین کے قابلِ حرمت اشخاص اور اشیاء کے متعلق ناواجب اور ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن نے اس قسم کے غیر مہذّب حملوں سے منع کیا ہے حتیٰ کہ مشرکین کے جھوٹے دیوتاؤں کے متعلق بھی بُرے الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کی طرف سے خدائے واحد کے خلاف غلط باتیں منسوب کئے جانے کا خطرہ ہے۔

ولا تسبّوا الذین ..... الخ (۶ : ۱۰۸)

قل یایھا الکٰفرون لا اعبد ..... الخ (۱۰۹ : ۱-۲)

اس سورۃ میں آنحضرتؐ کو اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ معبود کے متعلق مخالفین میں کسی قسم کی مصالحت کی گنجائش نہیں۔ اس لئے مختلف عقائد کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کو مکمل آزادی دیں۔ صداقت اور کذب واضح ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب لوگوں کو سوچنے اور آزادی سے اپنا راستہ اختیار کرنے کا موقع دینا چاہئے۔

لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغی (۲ : ۲۵۶)

فان اعرضوا فما ارسلنٰک علیھم ..... الخ (۴۲ : ۴۸)

اے رسول! اگر وہ صداقت سے اعراض کریں تو انھیں چھوڑ دو جب تم نے پیغام پہنچا دیا تو تم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔

لست علیھم بمصیطر (۸۸ : ۲۲) قل لست علیھم بوکیل (۶ : ۶۶)

نحن اعلم بما یقولون و ما انت علیھم بجبّار۔ (۵۰ : ۴۵)

اے رسول ہم جانتے ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ تم انھیں ایمان لانے کے لئے مجبور کرنے پر مامور نہیں ہوئے ہو۔

کچھ یہودی مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے بیٹے ابھی اپنے قدیم دین پر تھے۔ ان کے والدین نے ان کو مجبور کرنا چاہا تو اس موقع پر یہ آیت اُتری کہ لا اکراہ فی الدین ایک دوسری جگہ یہی تنبیہ دہرائی گئی۔

افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین۔ (۱۰ : ۹۹)

کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟

بنیادی تصوّر اسلام نے جو رویہ دوسرے ادیان کے متعلق اختیار کیا ہے اس کی بنیاد اس تعلیم پر ہے کہ صحیح دین ہمیشہ سے توحیدی رہا ہے اور ان تمام توحیدی ادیان کے ہاں بنیادی اخلاقی اقدار مشترک رہے ہیں۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں پیغمبر اور رسول مختلف قوموں کے پاس آتے رہے ہیں جو انھیں صحیح تعلیم دیتے رہے۔ لیکن مرورِ زمانہ سے یہ تعلیم خلط ہوتی رہی۔ ایک مسلمان کو تمام مذاہب کی اصلی اور بنیادی سچائیوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ غیر مسلموں نے عام طور پر آنحضرتؐ پر حملہ کرنا ضروری سمجھا۔ اور مغرب نے جو کتابیں اسلام پر لکھی ہیں ان میں اس ترقی پذیر،

لبرل دین کی غلط ترجمانی کے علاوہ آپ کی ذات کے خلاف زہریلے حملے کئے گئے ہیں۔ لیکن اپنے عقائد کی رُو سے مسلمان ان کا ترکی بہ ترکی جواب نہیں دے سکتے اس لئے اسلامی کتب میں کسی دین کے رہنما کے متعلق ناروا حملے نہیں پائے جائیں گے۔ کوئی مسلمان ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام یا دوسرے نبیوں کے خلاف کیسے مُنہ کھول سکتا ہے؟ قرآن میں مذکور ہے کہ لاتعداد رسولوں میں سے صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے غالب خیال یہ ہے کہ وہ نیک ہستیاں جن کو ہندو یا چینی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ بھی حق تعالیٰ کے پیغمبر ہوں گے۔ وہ قومیں جن کے پاس الہامی کتابیں ہیں ان کو اہلِ کتاب کہا جاتا ہے۔ عرب میں صرف عیسائی اور یہودی ہی ایسی دو قومیں آباد تھیں۔ اس کے بعد کئی اور قوموں سے بھی انہیں ملنے کا اتفاق ہوا جن کے ہاں قدیم دینی روایات تھیں۔ اس لئے اہلِ کتاب کی اصطلاح ان سب پر حاوی ہے۔ اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان کے اور اپنے درمیان عقائد کے اشتراک اور اتفاق و ہم آہنگی کی نشان دہی کریں تاکہ باہم میل جول اور خیر سگالی کے تعلقات قائم کرنے میں آسانی ہو۔ قرآن نے توحیدی عقائد رکھنے والے گروہوں سے جو تعاون کی اپیل کی ہے وہ تمام مہذب انسانیت سے تعاون کی اپیل ہے لیکن اگر کوئی قوم چھوٹی یا بڑی الحادی مادیت کو مع اس کے تقاضوں کے بطور عقیدہ قبول کرتی ہے، تو اس سے البتہ کسی قسم کا تعاون کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن پھر بھی قرآن کی دعوت یہی ہے کہ ہر اس شخص اور گروہ سے تعاون کیا جائے جو نیکی اور بھلائی کی تعلیم دیتا اور ان پر عمل کرتا ہے۔ اگر لادین اشخاص بھی اخلاقی کوشش میں دیانتداری سے تعاون کرتے ہیں تو اس حد تک ان سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

تعاونوا علی البر ..... (۵ : ۲)

تمام توحیدی مذاہب میں نیکی اور تقوے کی تعریف تقریباً یکساں طور پر کی گئی ہے اس لئے تعاون کا دائرہ خاصا وسیع ہے، لیکن جہاں اس کے متضاد نظریات کارفرما ہوں وہاں تعاون کا حلقہ بہت محدود ہو جاتا ہے۔ دوسرے توحیدی مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ اسلام کا رویہ محض سلبی اور انفعالی رواداری کا نہیں بلکہ ایجابی افہام و تفہیم کا ہے۔ قرآن میں نجات یافتہ اشخاص کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ رنج و خوف سے بالا ہیں۔ قرآن ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو صداقت یا نجات کی اجارہ داری کا دعوے کرتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں دو جگہ ذکر کیا گیا ہے کہ کائنات کی بنیادی صداقتیں یہ ہیں۔ خدائے واحد پر ایمان، موت کے بعد انسانی انا کا بقا اور ایک اخلاقی نظام کا وجود جس کے باعث موت کے بعد انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا اور جزا ملتی ہے۔ جو شخص بھی ان صداقتوں پر ایمان لائے اور نیک اعمال کرے، وہ نجات یافتہ ہے اور اس نے اپنا فرض ادا کیا خواہ وہ کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔

ان الذین آمنوا ..... (۲ : ۶۲)

لوگوں میں رسم و رواج اور شرائع کے لحاظ سے اختلاف ہوتا رہے گا اور ایک ہی منزل تک پہنچنے کے لئے مختلف

راستے اختیار کئے جاتے رہیں گے لیکن تمام وہ لوگ جو ایک روحانی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں، سب نجات پائیں گے۔ بعض تنگ نظر مسلمان علماء نجات کے متعلق قرآن کے اس فراخ دلانہ رویے کو پسند نہیں کرتے اور اسے اپنی اجارہ داری کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ اس کی تشریح اس کے واضح مفہوم کے بالکل برعکس کرتے ہیں۔ ان کی ذہنیت تقریباً وہی ہے جس کا تذکرہ قرآن نے متعصب اور تنگ نظر عیسائی اور یہودی علماء کے متعلق کیا ہے:

قالت الیھود لست النصاریٰ علیٰ .... الخ (۲ : ۱۱۳)

لارڈ ہیڈلے نے خود مجھ سے بیان کیا کہ جب انھوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو ان کا ایک عزیز ترین دوست ایک بشپ ان کے پاس آیا اور کہا "مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ اس تبدیلی مذہب سے جہنم واصل ہو جاؤ گے"۔ ہیڈلے نے جواب دیا، تمہارے مذہب کی یہی تنگ دلی اور تعصب ہے جس نے مجھے اس کو چھوڑ کر ایک دوسرے زیادہ لبرل مذہب میں داخل ہونے پر مجبور کیا ہے۔ تم کہتے ہو کہ چونکہ میں نے چند اذعانات پر ایمان لانا ترک کر دیا ہے، اس لئے میں جہنم میں جاؤں گا لیکن اسلام جس کو میں نے اختیار کیا ہے اس کی تعلیم ہے کہ چونکہ تم خدا پر ایمان رکھتے ہو اور بہت اچھے آدمی ہو اس لئے تم جہنم میں نہیں جاؤ گے۔ اسلام کا خدا ان چھوٹے مسائل کے متعلق متعصب اور تنگ نظر نہیں"۔

عقلیت پسند انسیت کے علمبردار اور تجربیت پر یقین رکھنے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ مذہب انسانوں میں تفریق اور اختلاف پیدا کرتا ہے لیکن قرآن کا خیال ہے کہ یہ خرابیاں مذہب کے باعث نہیں، بلکہ مذہب کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام انسانیت کی بنیادی وحدت کا قائل ہے جو ابدی حقائق کے مشترکہ حلقے میں ناگزیر اور شاید پسندیدہ کثرت کو تسلیم کئے بغیر ممکن الحصول نہیں۔ صحیح دین، آپ اسے اسلام کہہ لیجئے یا کوئی اور نام دیدیجئے، زندگی کے متعلق ایسا نظریہ ہے جس سے غیر عقلی اختلافات کم ہوں اور خیر سگالی، محبت اور تعاون و تفہیم کا دائرہ وسیع ہو جائے۔

حکمتِ رومی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

معنویت اور ادب و انشاء کی بلندی کے لحاظ سے اُردو ادب کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

صفحات ۲۵۷۔ قیمت ۳/۸/ روپے

سکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور